© rasailojaraid.com

اداریہ

ابھی ڈیڑھ سال پہلے واشنگٹن کے "ادارۂ مذہب و جمہوریت" کے زیرِ اہتمام منعقدہ کانفرنس میں شریک ایک پاکستانی پادری جناب پیٹرک - پی - اگسٹائن نے، جو اُن دنوں واشنگٹن میں مقیم تھے، مسلمانوں کے بارے میں اپنے تجربات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہ پاکستان میں بطور مسیحی مبلّغ جہاں بھی گئے، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا گیا، وہ پاکستان میں پوری آزادی کے ساتھ مسیحیت کی تبلیغ کرتے رہے ہیں اور انہیں حکومت یا پاکستانی عوام سے کبھی کوئی گزند نہیں پہنچی۔ (روزنامہ جنگ -راولپنڈی، ۲۰ جون ۱۹۹۲ء)

پاکستان کے سیاسی مدّوجزر پر نگاہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ پاکستان کے مختلف مکاتبِ فکر کے درمیان یا مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں کے خلاف تو (جنہیں مسلمانوں نے بحیثیتِ مجموعی روزِ اوّل سے اپنے جسم کا حصہ نہیں سمجھا بلکہ اپنے لیے "آکاس بیل" خیال کیا) بعض اوقات جذبات قابو میں نہ رہ سکے مگر دوسری غیر مسلم اقلیتوں کے خلاف کبھی کوئی ناگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ مسلم اکثریت نے اقلیتی برادریوں کے مذہبی مقدّسات اور عبادت گاہوں کو ہمیشہ عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ پچھلے سال اقلیتوں کی فلاح و بہبود اور ان کی عبادت گاہوں کی مرمت کے لیے پندرہ کروڑ پچیس لاکھ روپے کی رقم مختص کی گئی تھی۔

بد قسمتی سے وطنِ عزیز کی سیاست میں کچھ عرصے سے احتجاج کا تناسب بہت بڑھ گیا ہے اور اسی نسبت سے افہام و تفہیم کے جذبے میں کمی آئی ہے۔ شریعت بِل (اور پھر شریعت ایکٹ)، توہینِ رسالت کے مسئلے، نعمت احمر کے سانحۂ قتل اور اب شناختی کارڈ میں مذہب کے اندراج کے حوالے سے مسیحی برادری مسلسل احتجاج کرتی رہی ہے اور اس احتجاج کے دوران میں بعض اوقات ہوش پر جوش اس قدر غالب آگیا کہ اس سے نہ صرف امن وامان کا مسئلہ پیدا ہوا بلکہ شہری جائداد کو بھی نقصان پہنچا۔ الحمدللہ مسلم اکثریت نے بڑی حد تک اس کے باوجود اقلیتوں کو اپنا مدِّمقابل یا حریف نہ سمجھا اور مخالف جلسوں اور جلوسوں کی نوبت نہ آئی۔ اسی فضا میں سیکولرزم کے علمبردار ہمسایہ ملک میں تاریخی "بابری مسجد" کے انہدام کا سانحہ پیش آیا تو ردِّ عمل میں کراچی، لاہور اور فیصل آباد میں بعض ہندو مندروں اور مسیحی گرجا گھروں اور اقلیتی آبادیوں کو نقصان پہنچا۔ اس "سانحہ در سانحہ" پر جتنا افسوس کیا جائے، کم ہے۔ "بابری مسجد" کے انہدام میں بھارت کے انتہا پسند ہندو اور نام نہاد سیکولر رہنما برابر کے شریک ہیں مگر پاکستان کی ہندو یا مسیحی آبادی کا بلاشبہ اس میں کوئی دخل نہیں۔ متاثرہ آبادیوں میں رہنے والے مسلمانوں نے جس طرح اپنے ہمسایہ غیر مسلموں کی دل جوئی کی ہے، یہی اسلامی اقدار کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نمائندہ ہے۔ اس کے بعد حکومت کی جانب سے مندروں اور گرجا گھروں کی سرکاری خرچ پر تعمیرِ نو اور غیر مسلموں کے مالی نقصانات کی تلافی کا بروقت اعلان ہوا اور امید کی جانی چاہیے کہ متاثرین کو پوری پوری امداد ملے گی۔

نام نہاد "سیکولر بھارت" اور "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کے عوام اور حکومتوں کے رویّوں کو اجودھیا کی "بابری مسجد" اور لاہور کی "مسجد شہید گنج" کے حوالے سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک طرف "بابری مسجد" کے بارے میں ماہرینِ آثارِ قدیمہ اور مؤرخین کی رائے ہے (جن میں ہندو اور غیر مسلم اہلِ تحقیق بھی شامل ہیں) کہ اس عمارت سے "رام جنم بھومی" کو دور کا بھی واسطہ نہیں۔ پھر ملک کی عدلیہ نے "بابری مسجد" کی عمارت میں کوئی تبدیلی کرنے سے روک دیا مگر اس کے باوجود انتہا پسند ہندو مسجد مسمار کرنے کے لیے سیاسی مہم چلاتے رہے، عوام کے جذبات کو بھڑکاتے رہے اور اس مسئلے پر اتر پردیش میں انتخابات جیت کر ایوانِ اقتدار تک پہنچے۔ انتہا پسند ہندو جماعت کا اقتدار میں آنا خود اس بات کی علامت تھی کہ "بابری مسجد" گرادی جائے گی مگر نام نہاد سیکولر کانگرسی حکمران یہ سب کچھ جاننے کے باوجود مسجد کے بچانے کے لیے آگے نہ بڑھے کہ انہیں اپنے اندر "انتہا پسند لابی" اور عام ہندو ووٹر کے ناراض ہو جانے کا خطرہ تھا اور یوں ملک کی پندرہ فیصد مسلم آبادی کے احساسات کو اہمیت نہ دی گئی۔

لاہور کی "مسجد شہید گنج" کے حوالے سے لوگ جانتے ہیں کہ مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان اس جگہ کی ملکیت پر اختلاف پیدا ہوا۔ ۱۹۳۵ء میں لاہور ہائی کورٹ نے سکھوں کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ یہ فیصلہ امن و امان کے حوالے سے کیا گیا تھا اور اس میں تاریخ و آثارِ قدیمہ کے شواہد کو کوئی اہمیت نہ دی گئی تھی۔ اس لیے یہ فیصلہ مسلمانوں کے لیے قابلِ قبول نہ تھا کہ مسجد گرادی جائے چنانچہ ایک تحریک اٹھی، سرکاری اعداد و شمار کے مطابق تیرہ قیمتی جانیں ضائع ہوئیں اور بیسیوں افراد زخمی ہوئے مگر عدالتی فیصلہ قوّت کے ساتھ نافذ کر دیا گیا۔ تحریک دم توڑ گئی مگر بارہ سال کے مختصر عرصے میں زمین و آسمان بدل گئے۔ سکھ آبادی ترکِ سکونت کر گئی اور "مسجد شہید گنج" اس حد تک مسلم آبادی میں گھر گئی کہ اسے مسجد کے طور پر استعمال کیے جانے پر کسی ردِّعمل کا امکان نہیں تھا مگر ماضی کے عدالتی فیصلے کے احترام اور اقلیتوں کے ساتھ اپنے وعدے کا نتیجہ تھا کہ "مسجد شہید گنج" کی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہ آئی بلکہ محکمہ آثارِ قدیمہ حکومت پاکستان کی شائع کردہ کتاب Sikh Shrines in West Pakistan (مطبوعہ ۱۹۶۲ء) میں اسے سکھ عمارت کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔

"اسلامی جمہوریہ پاکستان" کی حکومت اور مسلم اکثریت کا یہ رویّہ اس بات پر شاہدِ عادل ہے کہ اقلیتی مقدسات کا کس طرح احترام کیا جاتا ہے۔ امید کی جانی چاہیے کہ حالیہ ناگوار واقعات عارضی ثابت ہوں گے اور غیر مسلم اقلیتوں کی عبادت گاہیں ہمیشہ کی طرح محفوظ رہیں گی۔

© rasailojaraid.com